آنحضرت ﷺ : مظہرِ تکمیلِ نبوت و رسالت

سمیع اللہ قریشی

انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ ان کے عہد کی کوئی ایسی قوم خدا کی ہدایت سے محروم نہ رہ جائے جو کسی بھی اعتبار سے آس پاس کی دوسری اقوام کو متاثر کر سکتی ہے ۔ یا اپنے نسلی دائرے یا جغرافی خطے میں کسی بھی لحاظ سے کوئی نمائندہ حیثیت رکھتی ہے ۔

انسان کی تہذیبی تاریخ پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے (جو خاصا طویل بھی ہے) جب بنی نوعِ انسان کا اجتماعی شعور ابھی اپنے ارتقاء کی ابتدائی منازل طے کر رہا تھا اور علم و عقل ہنوز تہذیب کی معراج کو نہیں پہنچ سکے تھے ۔ لہٰذا اس عبوری دور میں انسان یا اقوام کی ذہنی سطح کے مطابق انبیائے کرام کے واسطے سے انہیں متوازن اور حسبِ استعداد تعلیمات الٰہیہ سے نوازا گیا ۔ یہاں تک کہ انسانی ذہنی ارتقاء کی اس منزل تک آ گیا کہ اپنے بدلے ہوئے تہذیبی حالات کے متوازی الٰہیاتی تعلیمات کو سمجھ سکے ، اپنی زندگی پر اس کا نفاذ کر سکے اور شعوری طور پر اس بات کو محسوس کر سکے کہ شعوب و قبائل محض پہچان کا ذریعہ ہیں ۔ ورنہ انسان خواہ وہ کسی بھی رنگ و نسل اور خطے سے متعلق ہو فی الاصل ایک ہے ۔ اس تصور کو جِلا بخشنے کے لیے اور اس حقیقت کو نکھارنے کے لیے بلکہ اس اعزاز پر خدا کا شکر بجا لانے کے لیے بالآخر ذاتِ احدیت نے انسانوں میں ایک انسان کو آخری نجات دہندہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا ۔ ایک آخری کتاب اس کی وساطت سے نوعِ انسانی کو عطا کی ۔ جس میں سب سے پہلا اعلان انسان کی زبان سے ان الفاظ میں کرایا کہ :

الحمد للہ ربِ العٰلمین

اس لیے کہ انسان کا تہذیبی شعور اب واقعی اس درجے پر آ چکا تھا کہ اس بے پایاں اور ہمہ گیر نعمت پر ہر لمحہ خدا کا شکر واجب تھا ۔ چنانچہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی تاریخ کے اس موڑ پر دنیا میں تشریف لائے ہیں جو انسان کی روحانی تہذیب کا تکمیلی دور ہے۔ یہ انسانی تہذیب کا وہ اہم موڑ ہے جب علی العموم انسان اس بات کی صلاحیت حاصل کر چکا ہے کہ وہ اُمتِ واحدہ کا فرد بن کر اپنا عرصۂ حیات مکمل کرے اور بہترین نقوش ثبت کرکے اس دنیا سے رخصت ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد اور آگے آنے والے ہر عہد کے انسان کو یہی باور کرانے کے لیے تشریف لائے تھے کہ فی الحقیقت انسانیت کے اس مرحلے پر انسان کن اہلیتوں سے سرفراز ہو چکا ہے اور تاریخ میں اب اسے اپنا مرتبہ اور مقام کس قسم کی زندگی گزار کر متعین کرنا ہے۔

انسان کی تاریخ کے جس عہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اسے خدا کی ربوبیت کی انتہاؤں کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی موجودہ نشاۃ ثانیہ میں دوسرے آدمؑ قرار پاتے ہیں ـــــ پہلے آدمؑ کے ساتھ انسان کے شعور کی طفولیت کا آغاز ہوتا ہے۔ درمیانی عرصہ میں اُس نے اپنے سفرِ شعور کی مختلف منازل طے کیں۔ جس میں نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بہت نمایاں سنگ ہائے میل ہیں۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد انسانی تہذیبی شعور کی آخری منزل بن جاتی ہے۔ کیونکہ یہ اعلان پچھلے کسی پڑاؤ پر نہیں سنا گیا جسے رسالت و نبوت کے آخری پراؤ پر انسان نے یوں سنا ہے کہ آج سے دنیا بھر کا انسان ایک انسان ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اُس کا خدا ایک ہے۔ لہٰذا عقائد کے تمام دھاروں کو توحید کے ایک ہی سمندر میں جذب ہونا چاہیے۔

خدا کی وحدت کی طرح انسان کی وحدت کا اعتراف بھی ضروری تھا۔ کیونکہ یہی انسان کی روحانی تاریخ کی آخری معراجِ کمال ہے۔ جس کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ فرما دیا گیا ہے کہ کلکم ابناء آدم و آدم من تراب (تم سب ایک آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہے) لہٰذا تمہیں ہمیشہ اس وحدتِ خلقی کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

مفترق انسانیت کے سابق تجربات اس زاویے سے کیے جاتے تھے کہ خدا نے انسانوں کو مختلف علاقوں میں ماحول اور طبائع کی رنگا رنگی کے ساتھ پیدا کیا اور ہر ماحول کے مطابق ہی مختلف روحانی ہدایات سے بھی

اُنھیں نوازا ہے تو لامحالہ وہ خدا کی نگاہ میں بھی مختلف اکائیاں ہیں ۔ اور انھیں اپنے ان اختلافات ہی پر قائم رہنا چاہیے ۔ لیکن انسان کو زمین پر ہمیشہ بٹے رہنے ہی کے لیے پیدا نہیں کیا گیا تھا ۔ اُسے اگر ایک عرصے تک پھیلاؤ کا سفر کرنا تھا تو اُس کے لیے ایک وقت سمٹاؤ کا سفر بھی ضروری تھا ۔ چنانچہ آج کے انسان کو بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو وہ بیک وقت دو سفر کر رہا ہے ۔ آفاقی وسعتوں میں پھیلاؤ کا بھی ۔ اور دوسری طرف اپنے مرکزِ وحدت کی سمت سمٹاؤ کا بھی ۔ چنانچہ مختلف نسلوں اور تمدنوں کے انسان بتدریج ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں ۔ اور وہ دن زیادہ دور نہیں رہ گیا ہے کہ جب وہ کان الناس أمة واحدة کی تاریخ کو دہراتے ہوئے ساری روئے زمین پر وحدت در کثرت کا نمونہ پیش کر دے گا ۔ اور یہ وحدت ایک طاقتور باطنی اور انسانی وحدت ہوگی جسے روحانی اور دینی وحدت کہنا چاہیے ۔

یہی وہ وحدتِ دینی و انسانی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واضح اعلان کروا کر قائم کر دیا ہے کہ قل یاأیھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً ۔ (اے پیغمبر ! اعلان کر دیجیے کہ اے تمام انسانو ! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں) ۔ دوسرے لفظوں میں تم سب انسان اب صرف میری اُمت قرار دیے گئے ہو لہذا تمھیں ایک ہی مرکز (اسلام) پر مجتمع ہو جانا چاہیے ۔ چنانچہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اسی ہمہ گیر مشن کو ڈیڑھ لاکھ انسانوں کے سامنے ان عالم گیر ابدی الفاظ میں پیش فرمایا کہ :

" ۔ ۔ ۔ لوگو بے شک تمھارا رب ایک ہے اور جدِ اعلیٰ بھی ایک ہے ۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں ۔ آدمؑ مٹی سے بنایا گیا تھا ۔ خدا کے ہاں صرف وہی معزز ترین ہے جو سب سے زیادہ خدا خوف ہے ۔ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر ، سرخ کو سیاہ اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ۔ برتری کی بنیاد صرف تقویٰ ہے ۔" (طبری)

خدا کو صرف ایک قبیلے بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص کرکے بھی دیکھا گیا ۔ خدا کے نور کو ایران کی سرزمین کا ورثہ بھی قرار دیا گیا ۔ انسان کو خدا کا بیٹا بھی بنایا گیا ۔ ویدوں کی مذہبی عبارتوں کو غریب اور نادار شودر کی سماعتوں پر حرام کرکے بھی تسکین حاصل کی گئی ۔ حصولِ نجات کے لیے نروان اور آواگون کے چکروں میں بھی انسان کو پھنسانے

کی کوشش کی گئی اور بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش کے دعوے پر بھی اکتفا کیا گیا لیکن انسان کے اصلی شعور کی تکمیل کہیں بھی نہ ہو سکی ۔ اس لیے کہ یہ تمام تر مقاصد اور مناہج محدود، نامکمل اور وقتی تھے ۔ ان میں سے کوئی ایک اعلان بھی آفاقی نہیں تھا ۔ دنیا بھر کے انسان کو ایک اکائی جانتے ہوئے کسی مصلح ، داعی اور پیغمبر[۳] نے مخاطب نہیں کیا تھا ۔ کرشن نے نہ بدھ نے ، زرتشت نے نہ موسیٰ[۴] نے اور نہ عیسیٰ[۴] نے ۔

انسان کی روحانی تاریخ میں صرف نبی اکرمؐ کا اعلان ہی وہ ایک اعلان ہے جو اُن تمام اختلافات کو ختم کر دیتا ہے جو وقتی ، نسلی اور ہنگامی تعلیات سے پیدا ہوئے تھے لیکن اپنے اپنے عہد کی ضرورت بھی تھے ۔

اگر یہ پیغام جس کا دوسرا نام قرآن ہے اور اس کا لانے والا جس کا نام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ، انسان کو ذاتِ احدیت کی طرف سے عطا نہ ہوتے تو دنیا کی روحانی تاریخ خدا کی احدیت کو ثابت کرنے سے عاجز رہتی ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے روحانی ارتقاء کی تکمیل کے آخری مظہر تھے ۔ اگر جسم کے ارتقاء کا ایک خاص مقام پر پہنچ کر مستقل شکل اختیار کر لینا ضروری تھا تو روح اور شعور کے لیے بھی یہ بات بے حد ضروری تھی کہ وہ نبوت اور رسالت کے حوالے سے بے شمار روحانی منازل طے کرنے کے بعد ایک آخری منزل پر آ کر مستحکم ہو جاتے ۔ چنانچہ اسی آخری استکمالی ضرورت کو نبیِ آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل نبوت کے ذریعے پورا کر دیا گیا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ انسانی تمدن اور تہذیب دونوں اپنے کمال اور انتہا کو پہنچ جاتے ہیں ۔ ساری ترقیات انسانی اعمال میں جو یکسانیت اور سہولت پیدا کرتی ہیں وہ تمدن ہے ۔ اور کلچر یعنی تہذیب و ثقافت اُن افکار کا صلہ ہے جو کسی بھی معاشرے میں مذہب اور اخلاق کے حوالے سے پیدا ہوتے ہیں ۔

انسانی تاریخ کے ہر عہد میں یہ دونوں ادارے موجود رہے ہیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ کلچر کو اپنی کلی شکل میں تمام انسانیت کے سامنے پیش فرمایا اور مظہرِ تکمیلِ نبوت و رسالت ٹھہرے ۔

تمدن اور تہذیب انسان کی تاریخ میں ہمیشہ ساتھ ساتھ نہیں چلے ۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف تمدن کا دور رہا اور کبھی صرف تہذیب یا کلچر بلا تمدن کا ۔ مثلاً رومنوں کا اقتدار تمدن کا عہد تھا ۔ مگر ابتدائی عیسائیت نے صرف کلچر کے فروغ میں حصہ لیا اور کوئی تمدن پیش نہیں کیا ۔ پھر ایک دور ایسا بھی آیا جب روم عیسائیت کے زیر اثر آیا تو تہذیب تمدن پر غالب آ گئی ۔ تا آنکہ آج یورپ میں اس کے برعکس تہذیب ، کلچر ، اخلاق سب کے سب تمدن کے تابع یا اُس کی بھنیٹ چڑھ چکے ہیں ۔ بہرحال اسلام سے پہلے نہ کبھی کوئی کلچر آفاقی ہو سکا اور نہ ہی کوئی تمدن عالمگیر قرار پا سکا ۔ گویا دنیا اور دین یا دوسرے لفظوں میں مادیت اور روحانیت اکٹھے نہیں ہو سکے ۔ تورات کے پیش کردہ نظام میں ان کے اجتماع کی ایک صورت ملتی ضرور ہے مگر وہ بالکل ابتدائی حیثیت کی ہے ۔ باقی رہے دوسرے مذاہب ۔ تو اُن کے ہاں اس کی کوئی بھی صورت دکھائی نہیں دیتی ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اس اعتبار سے بھی کاملیت اور جامعیت کی مظہر ہے کہ جب ہم اسلام کی روحانی اور تہذیبی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بلا شبہ یہ تمدن اور تہذیب کو یکجا کرنے کی کامیاب اور آخری کوشش نظر آتا ہے ۔

مختصر معاشروں یا چند اقوام و قبائل کی رہنمائی بے لچک قوانین کے بل بر کی جا سکتی ہے ۔ شاید اسی لیے سابق انبیاء کی تعلیمات میں ہمیں عام طور پر کوئی لچکدار رویہ نظر نہیں آتا ۔ لیکن پوری انسانیت کی رہنمائی ایک ایسی تعلیم کی متقاضی ہوتی ہے جو اپنے اندر لچک رکھتی ہو ۔ انسان صنفی اعتبار سے ہم اعضا ہونے کے باوجود اپنے سوچنے کے انداز میں خدا تعالیٰ کی ہر دوسری مخلوق سے مختلف ہے ۔ اس ہستی کو ایک وحدت بنانے کے لیے کس قدر ضروری تھا کہ ایک ایسا رسولؐ دنیا کے سامنے آئے جو اس ادارے کی تکمیل کرتے ہوئے تمام انسانوں کو اعتصام بحبل اللہ کی طرف لے آئے ۔ یعنی اس کا پیش کردہ نظامِ زندگی دین فطرۃ بھی ہو اور الدین یسر کا مصداق بھی ۔

نبوت اور رسالت دراصل انسان کو نجات کا راستہ دکھانے والے اُلوہی ادارے کا نام ہے ۔ مگر تاریخ ادیان میں بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ وہی مذاہب جو نجات کا راستہ دکھانے کے دعویدار تھے ، اپنے دور کی

تمدنی ترقیات میں یوں جذب ہو کر رہ گئے کہ اُن کے پیرو خدا کا راستہ دکھانے کے بجائے خود ساختہ راستے دکھانے لگے اور انبیاء کے راستوں کو آہستہ آہستہ تاویلات و تنسیخات کی بھٹیوں میں پگھلا کر اپنے پسندیدہ مصالحانہ سانچوں میں ڈھال لیا اور اس طرح خدائی تعلیمات کالعدم ہو کر رہ گئیں۔

اس لیے ضروری تھا کہ ایک آخری نبیؐ آئے تو اس ضمانت کے ساتھ آئے کہ اُس کی تعلیمات کو اُس کی زندگی کو، اُس کے اشارات ابرو کو، اُس کے نقوشِ قلب و قدم کو، اُس کے زاویۂ فکر و لیت کو اور اُس کی خلوت و جلوت کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھا اور خلط ملط ہونے سے محفوظ رکھا جائے گا۔ اور جسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ادارۂ نبوت و رسالت کا بجا طور پر مظہرِ استکمال ہونے کا اعزاز دیا جا سکے گا۔ یہ آخری نبی کون ہیں؟ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ـــ اور اُن کے دین کے باقی رہنے کی الٰہی ضمانت کیا ہے؟ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحٰفظون۔ (یقیناً ہم ہی نے ذکرِ قرآنی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں)۔

ایسا بھی نہیں ہوا کہ تہذیب اور کلچر کو نمو دینے والی الہامی تعلیمات تورات، انجیل اور زبور۔ اور غیر الہامی تعلیمات وید۔ گیتا۔ ژند اور پاژند یکسر دنیا سے مٹ گئی ہوں۔ اوراق میں اپنی محرّف و مبدل شکل میں تو یہ آج بھی موجود ہیں۔ مگر خود ان کے ماننے والوں کے نزدیک مستند نہیں رہیں۔ یہ ساری تعلیمات جن پر انسانی کلچر کا اپنے اپنے زمانے میں مدار تھا نہ صرف تاریخی شہادتوں کے اعتبار سے بلکہ اپنی داخلی شہادتوں کی بنیاد پر بھی اپنا مقام و مرتبہ کھو چکی ہیں اور یہ بات انسان کے تہذیبی رویے کو غیر مطمئن کر دینے کے لیے کافی ہے۔ پھر وہ تضادات توہمات، غیر عقلی، غیر اخلاقی اور غیر انسانی باتیں اس پر مستزاد ہیں جو ان کتابوں کا حصہ بن چکی ہیں۔ چنانچہ انسانی کلچر کی سابقہ تمام بنیادوں کا زوال قرآن کو بطور آخری مکمل اور دائمی کتاب ثابت کرنے کا سبب بن جاتا ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے پر بھی جس کا استکمال، کیا بلحاظ مضامین، اسالیب، زبان اور اعجاز کے اور کیا بلحاظ اپنی تعلیمات کے، چیلنج نہیں ہو سکا ـــ اور جب یہ آخری پیغام محفوظ ہے تو پھر اُس کا لانے والا بھی تہذیبِ انسانی کے اہم ترین ادارے یعنی نبوت اور

رسالت کا اپنی کتاب کی صورت میں زندۂ جاوید تکمیل کنندہ قرار پا جاتا ہے

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے موقع پر یہود بھی اپنے کلچر کے احیاء بذریعہ ادارۂ نبوت کے منتظر تھے ۔ مگر یہ مقام صرف اور صرف آپؐ ہی کو عطا ہوا ۔ اور اس اعلان کے ساتھ عطا ہوا کہ :

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

(اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کی ذمہ داری کس کے سپرد کرے) (انعام - پارہ ۸ - رکوع ۲)

یہودیوں کی طرف سے یہ بات بار بار کہی گئی کہ : نحن اولیٰ بالملک و النبوۃ ۔ فکیف نتبع العرب (نبوت کے اہل اور حقدار تو ہم (ابناء اللہ) ہو سکتے ہیں ۔ نہ کہ یہ عرب ۔ پھر ہم ان کی پیروی کیوں کریں !) (تفسیر الخازن)

لیکن جب یہود اپنے کلچر کی آپ اپنے اعمال سے نفی کر چکے تھے تو اس ادارے کا بھی اپنی آخری مکمل شکل میں حق بحقدار رسید ہونا لازم ہو چکا تھا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہرِ تکمیلِ رسالت و نبوت ہونا ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس عظیم الشان دعا کی مقبولیت ہے جو چار ہزار سال پہلے اسی مقام پر کی گئی تھی اور جس کے الفاظ یہ ہیں : ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیٰتک و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ و یزکیھم (سورہ بقرہ - آیت ۱۲۹) (اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں خود انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو اُنہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے) اس آیت میں نبی کی بعثت کی چار اغراض بیان کی گئی ہیں :

(۱) آیاتِ الٰہی (معجزات) کے قصے سنا کر دل نرم کرنا
(۲) تعلیماتِ الٰہی پیش کرنا
(۳) تعلیماتِ الٰہی کی حکمتیں سمجھانا
(۴) (اپنے اُسوۂ حسنہ کے ذریعے) انسانوں کو پاکباز بنانے کی سعی کرنا ۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرِ کبیر کے جز سوم میں

اس پر ایک خوبصورت بحث کی ہے ۔ فرماتے ہیں :

"انبیاء اور رسولوں کی بعثت سے دین کے متعلق جو فائدہ اُٹھایا جاتا ہے ، اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں ۔

اول : یہ کہ مخلوق میں طبعی طور پر قلتِ فہم اور ناسمجھی کی صفت پائی جاتی ہے ۔ اس ضمن میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی قسم کے دلائل اُن کے سامنے پیش کیے ۔ قدم قدم پر وضاحتیں بیان کیں ۔ اعتراضات دور کیے ۔ شکوک و شبہات مٹائے ۔ غرض تفہیمِ آیات میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ۔

دوم : لوگ اگرچہ جانتے تھے کہ اُنھیں اپنے مولیٰ کی خدمت کرنی چاہیے لیکن اُنھیں اس خدمت کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ معلوم نہیں تھا ۔ چنانچہ آپؐ نے اس خدمت کی صورت بیان فرما دی ۔ تاکہ وہ اس خدمت کو بجا لا سکیں اور اس بجا آوری میں اپنی طرف سے کوئی دانستہ یا نادانستہ ایسی غلطی نہ کریں جو مولیٰ کو ناپسند ہو ۔

سوم : لوگوں میں طبعاً سُستی ، غفلت اور ملال کی کمزوری بھی پائی جاتی ہے ۔ لہذا آپؐ نے اُن کے سامنے مختلف قسم کی ترغیبات ، ترہیبات اور تنبیہات رکھیں جو اُنھیں اطاعتِ احکام کے لیے بیدار اور چاق و چوبند کریں ۔ اور لمحہ بہ لمحہ اُن کے اندر شوق و ولولہ پیدا کرتی رہیں ۔

چہارم : انسانی عقل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے آنکھ کا نور — اور یہ بات واضح ہے کہ آنکھ کے نور سے کامل طور پر فائدہ اُسی وقت اُٹھایا جا سکتا ہے جب کہ سورج کا نور بھی پھیلا ہوا ہو — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور عقلی اور الٰہی سورج کے نور کی طرح ہے ۔ جو لوگوں کی عقلوں کو اپنے نور سے تقویت دیتا اور اُن کے لیے اُن عینی اُمور کو ظاہر کرتا ہے جو اُس کے ظہور سے قبل پوشیدہ تھے "۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے اُس کلچر کو اپنی معراج پر پہنچانے والے وہ آخری نبیؐ اور رسولؐ تھے جو تمدن کو بھی ہمراہ لے کر چلتا ہے ۔ نظام چلاتا ہے ۔ فیصلے کرتا ہے ۔ اور پھر ان فیصلوں کو انسانوں پر بہ نفس نفیس نافذ بھی کرتا ہے ۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے ۔

انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارلک اللہ (النساء : ۱۰۵) (اے نبی ! ہم نے تمھاری طرف حق

کے ساتھ کتاب نازل کی ہے ۔ تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلے کرو ۔)

ادرۂ نبوت کے حوالے کے امام رازی ہی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ : لایجوز ان یبعثہ اللہ الا مع کمال فی العقل و الرأی و العلم بالتوحید'' (ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ایسے کو نبیؑ بنا دیا ہو جو کامل العقل اور صائب الرائے ہونے کے ساتھ ساتھ علم توحید میں بھی کامل نہ ہو ۔)

جب دوسرے انبیاء کا یہ مقام ہے تو پھر نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل ، رائے اور توحید میں اکمل الکاملین ہونا بدرجہ اتم ثابت کیوں نہ ہوگا ۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر کے پانچویں جزء میں نبی اور ولی کے استکمال میں فروق بتاتے ہوئے ایک فرق یہ بھی بتایا ہے کہ : فالولی ھو الانسان الکاملی لا یقوی علی التکمیل و النبی ھو الانسان الکامل المکمل (معلوم ہوا ولی خود تو باکمال ہوتا ہے لیکن دوسروں کو باکمال بنانے کی قدرت نہیں رکھتا ۔ اس کے برخلاف نبی وہ ہوتا ہے جو انسان کامل ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو باکمال بنا دینے کی طاقت کا حامل ہوتا ہے ۔)

بے شک دوسرے تمام انبیاء نے بھی انسانوں کے لیے اپنا اپنا نمونہ چھوڑا بلکہ اپنی زندگی کی روح دوسروں میں پھونکنے کی سعی کی ۔۔ مگر سیرت نبیِ آخر صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دے رہی ہے کہ تمام انبیاؑ میں اپنے اصحابؓ کو ستارے بنا دینے والے نبیؐ صرف ایک آپؐ ہی تھے ۔ ایسے ستارے جو جامد نہیں تھے بلکہ مولد تھے جن سے قیامت تک سیارے در سیارے پیدا ہوتے اور اپنے سورجؐ کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلاتے رہیں گے ۔ دوسرے لفظوں میں نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے کاملِ مظہرِ رسالت و نبوت ہونے کی ابدی گواہی پیش کرتے رہیں گے ۔

سورۂ دخان میں ویسے تو سب رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : انا کنا مرسلین ۔ رحمۃ من ربک ط (الدخان ۔ آیت ۵ ۔ ۶) یقیناً ہم ہی رسولوں کو تمہارے رب کی طرف سے رحمت بنا کر بھیجتے رہے ہیں) لیکن رحمۃ للعالمین ۔ اور ۔ الا رحمۃ للعلمین کا مستقل خطاب فقط رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو عطا کر کے انہیں

استکمال رحمت کا مظہر کامل قرار دیا گیا ۔

یوں تو ہر نبیؑ نے اپنے مصاحبین کو اندھیروں میں نور عطا کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور معیت سے جو نور صحابہ کرامؓ کو عطا ہوا وہ یہی اپنی مثال آپ تھا ۔ اسی لیے آپؐ نے ایک نشست میں فرمایا : ''اگر تمہاری روحانی حالت اور ایمانی کیفیت ہر جگہ ایسی ہی رہتی جیسی میرے پاس بیٹھے ہوئے ہوتی ہے تو فرشتے آ آ کر تم سے مصافحے کرتے'' ۔ استکمال نور کا یہ مقام اور اعطائے نور کی یہ قوت و قدرت نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کبھی کسی کو عطا نہیں ہوئی ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نور نبوتؐ کے فیضان کو جس طرح اپنا حرز جان بنانے کی کوشش کی اور اپنے آقاؐ کی سیرت کے ایک ایک پہلو کو جس طرح یاد رکھا ، پرانی نبوتوں کی تاریخ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کرتی — بے شک ہر نبی کامل ہوا اور اُس نے اپنے متبعین کو کامل بنایا بھی لیکن آج سابق انبیاء کی سیرت کے نمونے کہیں بھی نہیں ملتے ۔ نہ اُن کے متبعین نے انہیں محفوظ رکھا ہے ۔ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت طیبہ کسی نبی اور رسول کی وہ واحد سیرت ہے جو افراد اور الفاظ ہر شکل میں محفوظ ہے ، ہر عہد میں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی — اس لیے کہ : انک لعلی خلق عظیم

آپ کی سیرت وہ عظیم الشان سیرت ہے جس کا آئینہ قرآن عظیم ہے ۔
اور یہ آئینہ کبھی مدھم نہیں ہو گا ۔ کان خلقہ القرآن

(بروایت عائشہؓ آپؐ کی سیرت سراپا قرآن عظیم ہے) جس کے تحفظ کی سچی ضمانت انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون کی آیت میں دے دی گئی ہے ۔

واقعہ تو یہ ہے تاریخ نبوت و رسالت میں جملہ انبیاء اسلام کا صرف سراغ دیتے نظر آتے ہیں ۔ ان کی زندگیوں کا جو کچھ حال معلوم ہو سکا ہے وہ انسان کی تہذیب نفس کے لیے کوئی مکمل اور جامع کلچر یا نظام حیات دیتا نظر نہیں آتا ۔ یہ بزرگ ہستیاں دین فطرت کو کامل اور مکمل نہ کر سکیں ۔ اس میں اُن کی ناکامی کو نہیں بلکہ اُن کے مناصب کی حدود

کو دخل تھا ۔ لہذا اُن کی صرف وہی سنت محفوظ رہ سکی یا یاد کی جاتی رہی جس جس میں وہ مظہر کامل تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف انبیاء اپنی کسی نہ کسی ایک صفت خاص کے ساتھ مشخص ہیں ۔ جبکہ حضور ختمی مرتبت اجتماع کمالات نبوت و رسالت نظر آتے ہیں ۔ آپؐ کی ذات میں وہ تمام اوصاف جو دیگر انبیاء اور مرسلین کو الگ الگ عطا ہوئیں ، تمام کی تمام شامل ہو جاتی ہیں — شاید محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام بھی اسی جامع استکمال کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے معنی ہی یہ ہیں کہ حد درجہ تعریف کیا گیا ۔ انبیاء سابقہ کے کمالات متفرقہ اور خصوصی صفات کا حضورؐ کی ذات میں جمع ہونا آپؐ کو اسم بامسمّٰی ثابت کرتا ہے ۔

قرآن کہتا ہے ۔ فبھدھم اقتدہ ط (تو اُن کی ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کر لے ۔ اور فرمایا و کان فضل اللہ علیک عظیما ۔ تجھ پر تیرے خدا کا فضل سب سے زیادہ ہے ۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو اب کوئی دوسرا نہ پہنچ سکے گا ۔ بلکہ ادارۂ نبوت و رسالت میں بھی اب کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا ۔ نہ ظلی نہ بروزی ۔

زبور میں حضورؐ ہی کے لیے کہا گیا : ''خدا نے جو میرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ معطر کیا''۔

تورات میں لکھا ہے کہ : ''میں تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی قائم کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو اُس کے کلام کو سنے گا میں اُس سے مطالبہ کروں گا''۔

گویا قرآن کی موجودگی نے تورات کے نسخ کو خود تورات سے ثابت کرکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مظہرِ کامل نبوت و رسالت ثابت کر دیا ۔

انجیل نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی تعلیم کامل ، جامع اور دائمی ہے ۔ بلکہ اس کے برخلاف صاف صاف کہا کہ :

'' . . . اور بہت سی باتیں تھیں ۔ لیکن تم برداشت نہیں کر سکتے ۔ لیکن جب تحدیم (یا فارقلیط یا بے حد و حساب تعریف کیا گیا) آئے گا تو وہ سب کچھ بیان کر دے گا ''۔

گویا دونوں بڑے مذاہب نے اپنی تعلیم کو محدودیت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مکمل ہدایت لیے کر آنے والے آخری نبی کی نوید سنائی ہے ۔

انھوں نے تسلیم کیا ہے کہ ابھی مکمل الٰہی تعلیم کے بیان کرنے کا وقت نہیں آیا ۔ مگر جب فارقلیط یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے تو قرآن کی شکل میں اپنی کامل تعلیم اور بطور ایک معیار کے اپنا اُسوۂ حسنہ پیش کریں گے اور اپنی نبوت و رسالت کے کمال کے مظہر بنیں گے ۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے لفظ ''قرآن'' کے ذیل میں اعتراف کیا ہے کہ : ''دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں'' ۔

یہ اعتراف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اعلیٰ خلق عظیم کے مقام پر سرفراز ہونے کے باعث ہی ممکن ہوا ۔ جس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ آپؐ نے تمام انبیائے سابق اور مرسلین کے صحائف اور کتب و تعلیمات کی تصدیق فرمائی ۔ اور اُن کے اخلاق فاضلہ کو اپنے اُسوۂ حسنہ میں شامل کر لیا ۔ بلکہ سورۃ الحدید کی آیت اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا کی زبان میں ''اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے سے مردہ زمین کو نئے سرے سے زندہ کیا'' ۔ یعنی نبوتوں کے تمام اخلاق فاضلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اُجاگر ہوئے اور اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مکمل ہر نبی کے لیے متمم اور مکمل قرار پاتا ہے ۔ آپؐ کی ذات کی برکت سے دوسرے انبیاء کی مخفی باتوں کو بھی سامنے آنے کا موقع ملا اور تمام کمالات نبوت آپ کی ذات میں تمام ہوئے ۔

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ؛ عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ و بعثت الی الناس عامۃ ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۲ بحوالہ متفق علیہ) ''مجھے پانچ باتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں'' ۔ جن میں سے ایک بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ ''مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا مگر میں تمام انسانوں کے لیے نبی بنایا گیا ہوں'' ۔ ۔ ۔

قرآن میں نبوت و رسالت کے تمام علوم جمع ہوئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی جامع اور کامل وحی قرار دی گئی ۔ جملہ معارف اور متقدمین کو دی جانے والی ہر روحانی نعمت آپؐ کو عطا کر دی گئی ۔ گویا یوں بھی آپؐ کی ذات پر کمال نبوت و رسالت تمام ہوا ۔

خدا کی حمد اور تعریف انبیائے سابقہ نے بھی کی ۔ مگر احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات میں بھی خدا کی تعریف کو اپنے کمال پر پہنچا دیا ۔ اور خدا شناسی کا ایک نیا معیار پیش کیا ۔ لہٰذا خدا کا احمد ہونے کے اعتبار سے بھی کوئی نبی یا رسول ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرح کامل اور اکمل نہیں ہے ۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت کی حیثیت کا کمال ہے ۔

قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی ایک شہادت یوں بھی دی ہے کہ اقرأ کا حکم آپؐ کی ذات کے سوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی دوسرے نبی یا رسول کو نہیں ملا ۔ گویا آپؐ کی تربیت خاص عطائے الٰہی ہے اور یہ تاریخ رسالت میں ایک منفرد اعزاز ہے کہ آپؐ کی عملی تکمیل بغیر کسی واسطے کے ہوئی ۔

مستشرق ہرش فیلڈ نے اپنی کتاب New Researches میں لکھا :

''دنیا کی کسی قوم نے اتنی جلدی تہذیب حاصل نہیں کی جیسے کہ عربوں نے واقعی اسلام کی بدولت حاصل کی'' ۔ اس تہذیب کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہدایت بخشی کارفرما تھی ، جس نے ان گنت انسانوں کو عارف کامل بنا دیا اور ایک شاندار کلچر کی بنیاد رکھی ۔ یہ اعزاز دنیا میں صرف ایک ہی انسان کامل کو عطا ہوا جس پر سلسلہ کمالات انسانیہ بھی تمام ہوا اور سلسلہ نبوت و رسالت بھی اور دائرۂ استعدادات بشریہ بھی اسی بے مثال ہستی پر اپنے کمال کو پہنچا ۔

حق تو یہ ہے کہ وارء الورا ، ذاتِ احدیت کو انسانی عقل محض اپنی طاقت سے دریافت کرنے سے قاصر تھی ۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا پتہ ہمیں نہ بتایا ہوتا ۔ چنانچہ اس عالی مقام انسان کی قوتِ قدسیہ کا مکمل اندازہ دوسرے انسانوں کے بس سے باہر ہے ۔ جس طرح اتباع کے لیے بھی صرف رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی واحد ہے ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ نوع انسانی کے اتحاد اور عالمگیر برادری کے مادی ، اخلاق ، سیاسی ، اجتماعی اور دستوری نشو و نما کی ابتدا ہوتی ہے ۔ بعثتِ انبیاء کے ہر مقصد کی تکمیل اسلام نے کر دی اور نبی اکرمؐ کی نبوت و رسالت انسانیت کے لیے ایک عظیم مستقبل کی نوید لے کر آئی ۔ اب انسان کے فکر اور وجدان

کو ایک ساتھ آگے بڑھنا تھا ۔ ہر چند کہ دوسری تحریکوں نے بھی نوع انسان کے قدم کسی نہ کسی اعتبار سے آگے بڑھائے ۔ لیکن جو کارنامہ اسلام کو دنیا کے تہذیبی استکمال کے سلسلہ میں انجام دینا تھا وہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی قطعیت اور خاتمیت نے سنبھالا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مقصد خالصۃً انسانی معاشرہ کو وجود میں لا کر نصب العین ، قیادت ، اطاعت ، آئین حیات ، راہ عمل ، غرض ہر چیز کو ایک مرکز پر مرتکز کرنا تھا اور یہ مقصد آپؐ نے پورا کر دیا ۔ بقول اقبالؒ :

''آپ کی ذات کے ساتھ نبوت اپنے کمال کو پہنچ گئی اور وہ مقصد پورا ہو گیا جس کے لیے اس ادارے کی ابتدا ہوئی تھی''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اب محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے اسلام کے پیش کردہ تہذیبی معاشرے میں بطور ایک اٹل حقیقت کے قبول کرنا ہوگا ۔ کیونکہ عقائد بدل سکتے ہیں مگر حقائق اٹل ہو جاتے ہیں ۔

اقبالؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو اسی خیال سے روحانی کے علاوہ ایک سیاسی ، اجتماعی ادارہ بھی کہا ہے ۔ کیونکہ اگر اس سے مقصود اُمت واحدہ کی تشکیل ہے تو اس کا مؤسس قائد بھی فقط ایک ہی ہوگا اور ایک ہی رہے گا ۔ اُس کی کوئی ایسی تعبیر اُس نبوت کے استکمال کو مجروح کر دے گی جس سے کوئی جدید ــ متوازی ــ قیادت ظہور میں آ سکے ۔

حضورؐ پراور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نبوت اور رسالت کو پیش کیا وہ اگر ایک سیاسی اجتماعی ادارہ بھی ہے تو گویا فرد اور جماعت کے لیے منظم اور منضبط زندگی کا اُصول بھی ہے ۔ قرآن کے بقول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی اس لیے ہوئی کہ جن ''سلاسل و اغلال'' اور زنجیروں نے انسان کو جکڑ رکھا تھا وہ توڑ دی جائیں ۔

اقبالؒ نے لکھا ہے کہ :

''نوع انسانی کے اپنے بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد یہ قدرتی امر تھا کہ نبوت بھی اپنے استکمال پر اپنی خاتمیت کی مہر ثبت کر دے ۔ اور انسان اب کسی مزید رہنمائی کے انتظار میں مضطرب اور مذبذب نہ رہے ۔ اب اسے اپنے آپ پر بھروسہ ہو اور وہ اس آخری نبوت کے سہارے جو

اُسے عطا ہوئی ہے ، اپنی تہذیبی زندگی کا بوجھ آپ اُٹھائے'' ۔

اقبالؒ نے یہ رائے اس لیے قائم کی تھی کہ اس نبوت نے انسان اور انسان کے درمیان مصنوعی حد بندی ختم کر دی ہے ۔ خالق اور مخلوق کے درمیان کلیسائی روک مٹا دی ہے ۔ حریت ، مساوات ، آزادی ، اُخوت اور عدل و احسان کی اقدار ایک حقیقت بن کر معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کرنے کے لیے پیش کر دی ہیں اور اب ایک جہان امکان طلوع ہو رہا ہے ۔

اقبالؒ اپنے پانچویں خطبے ''مسلم ثقافت کی روح'' میں لکھتے ہیں کہ :

''پیغمبرؐ اسلام قدیم اور جدید دنیا کے درمیان کھڑے معلوم ہوتے ہیں ۔ اپنے پیغام کے ماٰخذ کے لحاظ سے وہ قدیم دنیا سے تعلق رکھتے ہیں ۔ لیکن اس پیغام کی روح الہیں جدید دنیا سے وابستہ کرتی ہے ۔ ان کی ذات میں زندگی نے اپنی جدید رہنمائی کے لیے مناسب اور پہلے سے مختلف ذرائع علم دریافت کیے ہیں ۔

اسلام کے ذریعے نبوت اپنے خاتمے کی ضرورت کے احساس کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچتی ہے ۔ اس سے مراد اس امر کا شدید احساس ہے کہ زندگی ہمیشہ کے لیے خارجی سہارے کی محتاج نہیں رہ سکتی''۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نبوت اور رسالت اپنے خاتمہ کی ضرورت کے احساس کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچتی ہے ۔ اور دیکھا جائے تو ختم نبوت کا مقام مرحلہ وار رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچا ۔

اقبالؒ نے کہا :

''خود شعوری کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ بالآخر انسان محض اپنی استعداد پر انحصار کرنے لگے''۔

انسان کو اس منزل تک لانے کے لیے انبیاء کی تعلیم کا اسلوب بتدریج بدلتا رہا اور یہ بھی ایک طرح سے انسانی اور پیغمبرانہ شعور کا ارتقاء تھا ۔

ابوالکلام آزاد نے ''ترجمان القرآن'' میں اسی خیال کو یوں پیش کیا :

''انبیائے کرام نے بھی وقتاً فوقتاً خدا کی توصیف کے لیے جو پیرایہ تعلیم اختیار کیا وہ اس سلسلہ ارتقا سے باہر نہ تھا ۔ بلکہ اس کی مختلف

کڑیاں مہیا کرتا ہے "۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت و رسالت کے مظہر کامل ہونے کی حیثیت نے دنیا کو عقلیت کے دور میں داخل کر دیا ہے ۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ :

"اسلام جدید تفکر" اور تجربے کی روشنی میں قدم رکھ چکا ہے ۔ اب کوئی ولی یا پیغمبر اسے قرونِ وسطیٰ کے تصورات کی تاریکی کی طرف واپس نہیں لے جا سکتا "۔